

سکوت امیرالمومنین کے اسباب

<?xml encoding="UTF-8">

مقدمہ

”یا ابن الام ان القوم استضعفوانی و کادوا ان یقتلوننی“ (۱)

سقیفہ کے گھٹا ٹوپ اندھیرے اور ظلمت کدے سے ابھرتی ہوئی کسی مظلوم اور بے بس کی یہ وہ دلخراش آواز ہے جو آج بھی کانوں سے بار بار ٹکراتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ میں اس شخص کی آواز ہوں جو تاریخ کا وہ مظلوم انسان ہے جو اپنے بازوؤں میں طاقت و توانائی رکھنے کے باوجود بے بس و ناتواں تھا جی ہاں! یہ اسی ہارون وقت، علی مرتضیٰ (ع) کی آواز ہے جس کو جب بیعت کیلئے کشاں کشاں برہنہ تلواروں کے ساغ میں لے جایا جانے لگا تو اس نے موسیٰ وقت، مرسل اعظم کی قبر اطہر سے لیٹ کر فریاد کی کہ ”اے میرے مانجائے میں کیا کرتا قوم نے مجھے حقیر سمجھا اور (میرا کہنا نہ مانا بلکہ) قریب تھا کہ مجھے مار ڈالیں۔“ (۲) وہ علی کہ جس کی بہادری اور شجاعت کا یہ عالم تھا کہ صرف اس کے نام سے بڑے بڑے ساونتوں کی پنڈلیاں کانپ جایا کرتی تھیں، جس نے نبوت کا بازو بن کر کفار قریش کی دھمکیوں سے بے خوف و خطر رہ کر اسلام کو آفاقی بنایا ہو، یہود و نصاریٰ کا قلع قمع کیا، جس نے اسلام کے دامن کو فتوحات سے مالا مال کیا ہو، جسے ”حرب و ضرب سے دھمکایا اور ڈرایا نہ جاسکا ہو“ (۳) جسے موت کا خوف ہی نہ ہو اور موت کا قصیدہ پڑھتے ہوئے کہے کہ ”خدا کی قسم! ابوطالب کا بیٹا موت سے اتنا مانوس ہے کہ بچہ اپنی ماں کی چھاتی سے ہوتا ہے“ (۴) جسے اعدا اور دشمنوں کی کثرت مرعوب نہ کرسکے اور کہے کہ ”خدا کی قسم! اگر تمام عرب ایک کرکے مجھ سے بھڑنا چاہیں تو میدان چھوڑ کر پیٹھ نہ دکھائوں گا اور موقع پاتے ہی ان کی گردنیں دبوچ لینے کے لئے آگے بڑھوں گا۔“ (۵)

اس علی کو کیا ہو گیا تھا کہ پیغمبر صلح وامن کے بعدیکلخت خاموش ہو گیا، عزلت و گوشہ نشینی کو اپنا طرز زندگی بنالیا، اجتماعات میں شرکت کرنا چھوڑ دیا۔ اس کے گلے میں رسی کا پھندا ڈالا جاتا ہے تو خاموش رہتا ہے۔ ناموس کی بے حرمتی کی جاتی ہے، گھر آگ اور لکڑیوں کی نذر کردیا جاتا ہے مگر پھر بھی زباں پہ مہر سکوت! اپنی عزیزترین شریکہ حیات کی شہادت کے بعد جب وہ علی معاشرے کی ایذارسانیوں سے تنگ آجاتا ہے تو کنویں میں سر ڈال کر اپنا درد دل بیان کرتا ہے۔

جو حق کے متعلق اس طرح بیان کرے کہ ”مجھے اپنی زندگی کی قسم! میں حق کے خلاف چلنے والوں اور گمراہی میں بھٹکنے والوں سے جنگ میں کسی قسم کی رورعایت اور سستی نہیں کروں گا۔“ (۶) اس علی نے کیسے اپنے حق سے چشم پوشی کرلی!!

کیا وجہ تھی کہ علی جیسا بہادر اور سورما کہ جس کی بہادری سپہر شجاعت پر کمندیں ڈالتی ہو، جسکی قہر آگیاں ذوالفقار چلتی ہو تو موت ہی موت رقصاں نظر آتی ہو؛ وہ علی کیسے خاموشی کو اپنا شیوہ بنائے نظارہ خلق کرتا رہا!!

اس مسئلے کو لیکر ہم اسی بارگاہ ذی شرف میں چلتے ہیں کہ جس نے لوگوں کی مشکلات کا حل اتنی امانتداری کے ساتھ بتایا کہ اغیار بھی کہہ اٹھے

”لولا علی لہلک عمر“ (۷)

اس مسئلے کو ہم اسی کی زبان صداقت سے نکلے ہوئے جواب پاروں سے حل کرنے کی کوشش کریں گے کہ جو ”نہج البلاغہ“ کی صورت میں ہمارے درمیان ایک عظیم سرمایہ اور کتاب خدا کے بعد سب سے گرانہا کتاب ہے۔

پہلے اتمام حجت...

یہ ایک عقلی قانون اور کلیہ ہے۔ جب بھی کسی ذی شعور کے خلاف کوئی عمل انجام پاتا ہے تو سب سے پہلے اس کا عکس العمل یہ ہوتا ہے کہ وہ مد مقابل کے لئے توجیہ اور فرار کے سارے راستوں کو بند کردیتا ہے کہ جسے ہم ”اتمام حجت“ کہتے ہیں۔ اس کے بعد پھر وہ اپنی کارروائی شروع کرتا ہے۔

بالکل یہی طرز احتجاج امیرالمومنین کا تھا۔ لہذا امام نے مصلحت اس میں جانی کہ صرف خاموش رہنا غاصبان خلافت کے ناروا اور نازیبا افعال کو صداقت بخشنے کے مترادف ہوگا اس لئے ایسے موقع پر مطلقاً خاموش رہ جانا ناقابل تلافی سکوت ہوگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری خاموشی ان کی حقانیت کا شاخسانہ بن جائے۔ لہذا مہر سکوت توڑا اور مختلف مواقع پہ واشگاف لفظوں میں اپنی اختلاف رائے اور اپنے اعتراضات و احتجاجات کو بیان کیا۔ (۸) لہذا کبھی صحیح حقدار خلافت کو پہچناتے ہیں اور فرماتے ہیں: ”حق ولایت کی خصوصیات انہی کے لئے ہیں اور انہی کے بارے میں پیغمبر کی وصیت اور انہی کے لئے (نبی کی) وراثت ہے۔“ (۹) تو کبھی واضح طور پر اپنے حق کے غاصب کا تذکرہ کرتے ہیں کہ ”خدا کی قسم! فرزند ابوقحافہ نے پیراہن خلافت پہن لیا ہے حالانکہ وہ میرے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکی کے اندر اس کی کیلی کا ہوتا ہے۔“ (۱۰)

دنیا کا عظیم ترین مفکر اس فکر میں غرق تھا کہ میں اگر یونہی خاموش رہ گیا تو دنیا اسے حقیقت بنا دے گی۔ اس لئے مطلق سکوت اختیار کرنا جرم ہوگا لہذا مولا نے موقع ملتے ہی اپنا عندیہ بیان کردیا۔ پورا پورا خطبہ شقشقیہ اسی دکھ کی تو درد بھری فریاد ہے چنانچہ شوریٰ کے سلسلے میں برملا فرماتے ہیں: ”تم جلد ہی دیکھ لو گے کہ اس دن کے بعد سے خلافت کے لئے تلواریں سونت لی جائیں گی... یہاں تک کہ کچھ لوگ گمراہ لوگوں کے پیشوا بن کے کھڑے ہوں گے اور کچھ جاہلوں کے پیروکار ہوجائیں گے۔“ (۱۱)

کبھی تند لہجے کا سہارا لے کر بیان فرماتے ہیں کہ ”بے شک ان دونوں نے سختی کے ساتھ خلافت کے تھنوں کو آپس میں بانٹ لیا ہے“ (۱۲) ----- بات یہیں ختم نہیں ہوتی، غیض و غضب اس اوج پہ پہنچ جاتا ہے کہ امامت کی تیوریوں پر بل پڑ جاتا ہے اور فرماتے ہیں کہ ”بنی امیہ مجھے محمد کا ورثہ تھوڑا تھوڑا کر کے دیتے ہیں۔ خدا کی قسم! اگر میں زندہ رہا تو انہیں اس طرح جھاڑ پھینکوں گا جس طرح قصابی خاک آلود گوشت کے ٹکڑے سے مٹی جھاڑ دیتا ہے۔“ (۱۳)

ہر طریقے سے ہدایت کا گھیرا تنگ کرنے اور اتمام حجت کے بعد بھی دھمکیاں، احتجاجات، اعتراضات اور تہدیدات بارآور نہ ہوسکیں تب مولا نے دیکھا کہ یہ قوم ”صم بکم عمی فہم لا یعقلون“ (۱۴) کی مجسم مصداق ہے۔ اسے صراط مستقیم پہ نہیں لایا جاسکتا۔ تب مولا نے سکوت، عزلت اور گوشہ نشینی کو اپنایا ہے۔

.... پھر سکوت

جب مولائے کائنات اپنے تئیں اتمام حجت کرچکے تب کنارہ کشی اختیار کی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ

مولا نے ہر چیز سے ہاتھ کھینچ لیا تھا بلکہ صرف اس خلافت اور جانشینی سے چشم پوشی کی تھی جو ان کا مسلم حق تھا۔ (15) ورنہ اگر اسلام کو ضرورت پڑی ہے تو مولا نے کسی بھی کمک اور اعانت سے دریغ نہیں کیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپ کے وہ سیاسی اور حکومتی مشورے ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں جو آپ نے اپنے مخالفین کو دئے تھے لیکن وہ کیا علل و اسباب تھے جنکی وجہ سے مولائے کائنات نے 25/سال سکوت (بہ معنای عدم قیام) اختیار کر رکھا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں:

سکوت کے اسباب

۱- وصیت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

مختلف علل و اسباب کے ساتھ ساتھ ایک اہم علت کہ جس نے امیرالمومنین کو قیام سے باز رکھا وہ ”وصیت پیغمبر“ ہے جس کے متعلق خود صراحت سے فرماتے ہیں: ”مجھے قیام سے نہ بزدلی نے روکا ہے اور نہ موت کی ناپسندیدگی نے بلکہ اگر کسی چیز نے روکے رکھا تو وہ میرے بھائی (نبی خدا) سے کیا ہوا عہد و پیمان تھا کہ جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ اگر ساتھی ملیں تو قیام کرنا ورنہ ہاتھ روکے رکھنا“۔ (16) ایک اور جگہ پیغمبر اکرم، مولائے کائنات کو خطاب کرکے فرماتے ہیں: ”اے علی! (اپنے بعد) میں تمہیں صبر کی تلقین کرتا ہوں“۔ (17)

انہی وصیتوں کی طرف اشارہ کرکے مولائے کائنات فرماتے ہیں: ”میں نے اپنے حالات پر نظر کی تو دیکھا میرے لئے ہرقسم کی بیعت سے اطاعت رسول مقدم تھی اور ان سے کئے ہوئے عہد و پیمان جو میری گردن میں تھے“۔ (18) یہی وصیتیں تھیں کہ جن میں مرسل اعظم (ص) نے فرمایا تھا کہ تمہارا سکوت اور تمہارا قیام دونوں اسلام کے لئے ہونا چاہئے۔ اگر حالات سازگار ہوں تو تلوار اٹھانا ورنہ اس اسلام کے حق میں خاموشی اختیار کر لینا، یہی بہتر ہے۔ (19)

۲- یاوروں اور حامیوں کی قلت

اگر ہم تاریخ کے صفحات الٹ پلٹ کر دیکھیں تو یہ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اکثر انبیاء و اولیائے الہی یاور و مددگار کم ہونے کی وجہ سے قیام نہیں کرتے تھے۔ شاید اسی وجہ سے یہ مقولہ زبان زد عام و خاص ہے کہ جیسا کہ ”الفرار مما لا یطاق من سنن المرسلین“۔ (20) جناب نوح نے آواز دی: ”رب انی مغلوب فانتصر“ (21) (بار الہا! میں ان لوگوں کے مقابلے میں) کمزور ہوں اب تو ہی {ان سے} بدلہ لینا)۔

یہی نہیں اگر قرآن میں ہم ژرف نگری سے کام لیں تو ایسے بہت سے موارد ملیں گے کہ جہاں انبیاء و اوصیائے الہی نے یاور و مددگار کی کمی کی وجہ سے قیام نہیں کیا اور سب سے بڑھ کر خاتم المرسلین 13/سال مکہ میں رہے مگر صرف یاور و مددگار نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے کوئی قیام نہیں کیا اور خاموش رہے بلکہ جب معاشرے کی اذیتوں سے تنگ آگئے تو ہجرت فرما لی۔ (22)

مولائے کائنات نے بھی اسی سنت کو اپنا شیوہ بنایا تھا کہ قیام کرنا اسی وقت معقول اور بارآور ہوگا جب انسان اپنے ہدف اور مطمع نظر کی دستیابی میں کامیاب ہوسکے ورنہ قیام لایعنی ہوگا۔ اسی لئے فرماتے ہیں کہ ”کامیاب وہ ہے جو اٹھے تو پرو بال کے ساتھ اٹھے اور نہیں تو (اقتدار کی کرسی) دوسروں کے لئے چھوڑ بیٹھے“۔ (23)

اسی لئے جب مولائے کائنات سے اشعث بن قیس نے سوال کیا کہ آپ نے اپنا حق لینے میں تلوار کا سہارا کیوں نہیں لیا؟ تو فرمایا: ”اے اشعث! دیکھو میرے سامنے چہ انبیاء کے نمونے موجود ہیں؛ جناب نوح، لوط، ابراہیم، موسیٰ، ہارون اور پیغمبر اکرم صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین (24) کہ جنہوں نے صرف اسی لئے قوم کی سرکشی اور طغیانوں کے خلاف قیام نہیں کیا تھا کہ ان کے پاس ساتھیوں اور ناصروں کی کمی تھی ورنہ ہم بندگان خدا کو موت سے کوئی

باک نہیں ہے کہ ہم موت کے خوف سے قیام سے گریز کریں بلکہ وجہ یہی تھی کہ میرے ساتھیوں کی تعداد کھانے میں نمک اور آنکھ میں سرمے کے برابر تھی۔“ (25)

اسی لئے جب امام اتمام حجت کی غرض سے رات کی تاریکی میں انصار و مہاجرین کے گھر جاتے اور طلب کمک کرتے تو کوئی مدد کے لئے حاضر نہیں ہوتا۔ معاویہ کے بقول ۴ یا ۵ سے زیادہ لوگ مدد کیلئے آمادہ نہیں ہوئے۔ (26) اب ایسے ناسازگار حالات میں مولا قیام کرتے تو کیسے کرتے!!!

یہ سچ ہے کہ موت سے کوئی باک نہیں ہے مگر دوسری طرف ہدف اور نتیجہ بھی تو منظور نظر تھا ورنہ خود فرماتے ہیں کہ ”اگر مجھے 40 باؤفا ساتھی مل جاتے تو میں حصول خلافت کے لئے تلوار اٹھا لیتا“ (27) ”مگر افسوس کہ آج میرے پاس جعفر و حمزہ جیسے یاور و مددگار نہیں ہیں۔“ (28)

میں قیام کرتا بھی تو کیسے کرتا ”میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو مجھے اپنے اہلبیت کے علاوہ کوئی اپنا معین و مددگار نظر نہ آیا“ (29)

”ایسے میں کرتا تو کیا کرتا اگر قیام کرتا تو خطرہ تھا کہ مبادا اتنے کم افراد سے بھی ہاتھ دھونا پڑ جائے اس لئے ”میں نے انہیں موت کے منہ میں دینے سے بخل کیا۔“ (30)

۳۔ پاکیزہ نسلوں کا خیال

یہ الہی قانون ہے کہ ”لوتزلیوا لعذبنا الذین کفروا منہم عذاباً الیماً“ (31) اگر وہ (ایماندار کفار سے) الگ ہوجاتے تو ان میں جو لوگ کافر تھے ہم انہیں دردناک عذاب کی ضرور سزا دیتے یعنی وہ مومنین جو کافر آبائو اجداد کی صلب میں قرار دئے گئے ہیں جب تک وہ مومنین کفار کی صلب سے نکل نہ جائیں تب تک عذاب الہی رکا رہتا ہے اسی لئے امام صادق فرماتے ہیں : ”مومنین کی صلب میں جو کفار قرار دئے گئے ہیں اور اسی طرح کفار کی صلب میں جو مومنین قرار دئے گئے (یہ مومنین) اگر کفار سے الگ ہوجائیں تب خدا کافریں پر عذاب نازل کرتا ہے۔“ (32) یہ خدا کی حکمت ہے کہ یہاں موقع دیا جاتا ہے اور انتظار کیا جاتا ہے کہ عذاب جب نازل ہوتو اس کی زد میں صرف کفار اور منافقین ہی آئیں اسی لئے امام صادق سے جب سوال ہوا کہ امیرالمومنین نے قیام کیوں نہیں کیوں کیا۔ تو فرمایا : ”اس وقت خداوند متعال نے مومنوں کی صورت میں کچھ امانتیں کفار و منافقین کی صلبوں میں قرار دی تھیں کہ جب تک وہ امانتیں (مومنین) ان کی صلبوں سے خارج نہیں ہوجاتیں تب تک وہ بھلا کیسے تلوار اٹھاتے۔“ (۳۳)

لہذا وہ علی جو حکمت و نظام الہی کا پالن ہا تھا بھلا کیسے حکمت و منشاء الہی کے برخلاف قدم اٹھاتا۔

۴۔ شیرازہ بکھرنے نہ پائے

”میں اپنی میراث کو لٹتے دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ پہلے نے اپنی راہ لی اور اپنے بعد خلافت ابن خطاب کو دے

گیا... یہاں تک کہ اس قوم کا تیسرا شخص پیٹ پھلائے سرگین اور چارہ لے کے درمیان کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ اس کے بھائی بندو اٹھ کھڑے ہوئے جو اللہ کے مال کو اس طرح نگلتے تھے جس طرح اونٹ فصل ربیع کا چارہ چرتا ہے۔“ (34)

اس اعتراف کے باوجود اس عظیم انسان کے سامنے وہ کون سی شئی تھی کہ جسکی وجہ سے مصحف ناطق خاموشی سے نظارہ خلق کرتا رہا جبکہ وہ خود احکام الہی کی انجام دہی اور بجاآوری میں اتنا پابند تھا کہ اس کے یہاں تھوڑی سی بھی چوک ناقابل تلافی ہوا کرتی تھی کہ ”خدا کی قسم! میں مظلوم کا اس کے ظالم سے بدلہ لوں گا اور ظالم کی ناک میں نکیل ڈال کر اسے سرچشمہ حق تک کھینچ کر لے جائوں گا اگر چہ اسے یہ ناگوار کیوں نہ گزرے۔“ (35)

شریعت اسلامی اور حقوق عباد کی اتنی پابندی کرنے والا آخر خاموش کیوں تھا؟ وجہ کیا تھی؟ جی ہاں! وجہ صرف مسلمانوں کا اتحاد اور ان کی شیرازہ بندی تھی۔ مسلمانوں کی طاقت اور قدرت جو نئی نئی ساری دنیا پر عیاں ہوئی تھی وہ اسی اتحاد اور وحدت کلمہ کا نتیجہ تھی اور مسلمانوں نے بعد میں اسی وحدت کلمہ کی بدولت حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ (36)

یہی وہ سب سے اہم علت تھی کہ جس کی وجہ سے فاتح خیبر و خندق نے سکوت اختیار کر رکھا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ”...میں نے دیکھا کہ صبر کرنا اس عظیم مصیبت پر مسلمانوں میں اختلاف ڈالنے سے بہتر ہے۔“ (37)

مولا کے عہد خلافت میں جب طلحہ و زبیر نے بیعت توڑ دی اور داخلی فتنہ پردازی میں پڑ گئے تو آپ نے پیغمبر اکرم بعد اپنے موقف اور ان لوگوں کے موقف کے درمیان متعدد بار موازنہ کیا اور فرمایا: ”میں نے مسلمانوں کے اتحاد کے لئے اپنے حق سے چشم پوشی کی ہے تاکہ اتحاد باقی رہے لیکن ان لوگوں نے پہلے خوشی سے بیعت کی اور بعد میں اپنی بیعت توڑ دی اور ان لوگوں نے مسلمانوں کا شیرازہ بکھرنے کی پرواہ نہ کی۔“ (38)

علیکینگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اگر میں قیام کرتا ہوں تو مسلمانوں کا شیرازہ بکھر جائیگا اور ان کی وہ بندھی ہوئی مٹھی کھل جائیگی کہ جسکی وجہ سے اسلام آفاقی بنا تھا ”ورنہ اگر خدا کی قسم! مسلمانوں کے درمیان اختلاف کا خطرہ نہ ہوتا... تو ہماری یہ حالت نہ ہوتی۔“ (39)

اسی لئے مولا نے ہر ممکنہ کوشش کی کہ امت میں وحدت کلمہ برقرار رہے۔ امت بکھرنے نہ پائے، چاہے اپنے حق سے ہی کیوں نہ گزرنا پڑے۔ لہذا آپ نے خون کے گھونٹ پی پی کر اپنے غاصبین خلافت کی مدد کی صرف اس وجہ سے کہ مسلمانوں میں اتحاد اور ایک برقرار رہے۔ تبھی تو فرماتے ہیں :

”اب میں ڈرا کہ اگر کوئی رخنہ یا خرابی دیکھتے ہوئے اسلام اور اہل اسلام کی مدد نہ کروں گا تو یہ میرے لئے اس سے بڑھکر مصیبت ہوگی جتنی یہ مصیبت کہ تمہاری یہ حکومت میرے ہاتھ سے چلی جائے۔“ (40)

اور یہی نہیں بلکہ ایسا صابر انسان، اتحاد مسلمین کو اتنا اہم اور ضروری سمجھتا ہے کہ وصیت کرتا ہے کہ اے لوگو! فتنہ و فساد کی موجوں کو نجات کی کشتیوں سے چیر کر اپنے کو نکال لے جاؤ۔ تفرقہ و انتشار کی راہوں سے اپنا رخ موڑ لو۔ (41) کیونکہ ”سلامۃ الدین احب الینا من غیرہ“ (42) مجھے اسلام کی بقاء و دوام دوسری تمام چیزوں سے زیادہ عزیز و محبوب ہے۔

0- امت مرتد نہ ہو جائے

بعض آیات قرآنی اس بات کی ترجمانی کرتی ہیں کہ پیغمبر اکرم اپنی امت کے مستقبل کے بارے میں فکر مند

تھے اور آپ کو یہ بات بار بار پریشان کرتی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ امت میرے بعد میرے دین سے منحرف ہو جائے کیونکہ آپ اپنی زندگی میں بار بار یہ دیکھ چکے تھے کہ امت کو جہاں موقع ملتا تھا وہ جادۂ مستقیم سے پہلو تہی کرنے لگتی تھی چنانچہ جنگ احد میں دیکھ چکے تھے کہ جب کسی نے آپکی شہادت کی خبر اڑائی تو سب ادھر ادھر بھاگنے لگے اور منافقوں کے رئیس عبداللہ بن ابی کے ذریعہ ابوسفیان سے امان نامہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ (43) اور خدا کے بارے میں ان لوگوں کا ایسا عقیدہ ہو گیا تھا کہ توبہ بھلی! چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ”اور ایک گروہ جن کو اس وقت بھاگنے کی شرم سے جان کے لالے پڑے تھے خدا کے ساتھ (خواہ مخواہ) زمانہ جاہلیت کی ایسی بدگمانیاں کرنے لگے (اور) کہنے لگے بھلا یہ امر (فتح) کچھ بھی ہمارے اختیار میں ہے۔“ (۴۴) یہی وہ اہم مسئلہ تھا جو بار بار پیغمبر اکرم کو کھائے جا رہا تھا کہ مبادا امت میرے بعد ارتداد کا شکار ہو جائے۔ اسی لئے جب مرسل اعظم کی شہادت کی خبر منتشر ہوئی تو وہ قبائل جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے وہ دین اسلام سے منحرف ہو گئے اور پرچم ارتداد بلند کر کے مالیات دینے سے بھی انکار کر دیا۔ (45)

ایسے نامساعد حالات میں مولا قیام کرتے تو کیسے کرتے جبکہ ان کا ہدف حصول سطوت و سلطنت نہیں بلکہ بقاء و دوام اسلام تھا لہذا مولا نے یہ دیکھا کہ اگر میں قیام کرتا ہوں تو لوگ مرتد ہو جائیں گے کیونکہ لوگ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اس لئے تھوڑی سی بھی کوتاہی بساط اسلام سمیٹ دیگی۔ (46)

چنانچہ صادق آل محمد سے جب کسی نے سوال کیا کہ امیرالمومنین نے کیوں قیام نہیں کیا تو فرمایا کہ: ”خوف تھا کہ کہیں لوگ کفر کی طرف پلٹ نہ جائیں۔“ (47)

یا ایک اور مقام پہ فرماتے ہیں کہ ”امیرالمومنین کو خوف یہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قوم مرتد ہو جائے اور مرسل اعظم کی شہادت (اذان سے) مٹ جائے۔“ (48)

اسی ارتداد کا خوف مولائے کائنات کو بھی پریشان کر رہا تھا جیسا کہ فرماتے ہیں کہ ”اس بات کا خوف اگر نہیں ہوتا کہ لوگ کفر و بت پرستی کی طرف پھر سے پلٹ جائیں گے تو ہماری یہ حالت نہ ہوتی۔“ (49) یعنی پھر ایسی صورت میں یہ معاشرہ ”مدینہ فاضلہ“ کا عالیترین نمونہ ہوتا۔

اسی لئے جب صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا نے مولائے کائنات سے گلہ و شکوہ کیا کہ کیوں قیام نہیں کرتے؟ (اتنے میں مؤذن کی صدا بلند ہو گئی ”اشہد ان محمداً رسول اللہ“) مولا نے پوچھا کہ اے بنت رسول! کیا آپ کو یہ گوارا ہے کہ آپ کے بابا کا نام دنیا سے مٹ جائے۔ انہوں نے جواب دیا: ”نہیں!“ تو مولا نے کہا کہ اسی لئے قیام نہیں کر رہا ہوں۔ (50)

یہ وہ اہم مسئلہ تھا جو قیام امیرالمومنین میں سد راہ بن جاتا تھا اور آپ کے سامنے وہ بھیانک منظر آجاتا تھا کہ اگر میں نے قیام کر دیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اسلام پھر سے وہیں جا پہنچے جہاں سے مرسل اعظم نے شروع کیا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ”مگر ایک دم میرے سامنے یہ منظر آیا کہ لوگ فلاں شخص کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے دوڑے۔ ان حالات میں میں نے اپنا ہاتھ روکے رکھا یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ مرتد ہونے والے اسلام سے مرتد ہو کر حضرت محمد کے دین کو مٹا ڈالنے کی دعوت دے رہے ہیں۔“ (51)

۶- دشمنان خارجی کا خطرہ

ظاہر سی بات ہے کہ جب مولائے کائنات قیام کرتے تو مسلمانوں کی تعداد کم ہوتی۔ اب چاہے اس قیام میں مولا کے چاہنے والے شہید ہوتے یا ان کے مخالفین قتل ہوتے لیکن اس طرح مسلمانوں کی باہمی طاقت و قدرت کمزور ہوتی۔

دوسری طرف ہمیشہ دشمنان خارجی (بالخصوص ایران و روم) کے حملے کا خطرہ رہتا تھا اور اگر آپسی اختلاف اور مڈبھیڑ ہوتی تو ظاہر سی بات ہے کہ پھر دشمنان خارجی سے مقابلے میں کھڑے ہونے کی قدرت اور طاقت نہ رہتی۔ جبکہ مرکز اسلام کو ہمیشہ ایران اور روم کی جانب سے خطرہ رہا کرتا تھا بالخصوص اس صورت میں جبکہ اس وقت تک رومیوں سے ۳/۱۰ بار مسلمانوں کا مقابلہ ہوچکا تھا۔ یہ ایک ایسا عظیم خطرہ تھا کہ جس سے پیغمبر اکرم آخر وقت تک فکرمند تھے۔ اسی لئے آپ نے سپاہ ”اسامہ بن زید“ کو اس احتمالی خطرے کی روک تھام کے لئے روانہ کیا تھا۔ (52)

ایسی صورتحال میں اگر امیرالمومنین قیام کرتے تو کسی بھی صورت میں یہ قیام مطلوب نہیں ہوتا کیونکہ ظاہر سی بات ہے کہ جب مرکز اسلام کا داخلی محاذ کمزور ہوتا تو کسی بھی صورت میں خارجی محاذ کے دفاع کے لئے ان کے پاس قدرت نہ ہوتی۔ شاید یہ بھی ایک اور اہم وجہ رہی ہو کہ جس کی وجہ سے مولائے کائنات نے قیام نہ کیا ہو۔ چنانچہ جن جنگوں کا خطرہ تھا وہ ہوکر رہیں کہ جس کے متعلق خلیفہ دوم نے مولائے کائنات سے مشورے بھی لئے جو اب بھی نہج البلاغہ میں خطبوں کی صورت میں موجود ہیں کہ جنکی تفصیل کے لئے خطبات نمبر 132/ اور 144/ ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

نتیجہ

”اگر بولتا ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ دنیوی سلطنت پر مرٹے ہیں اور چپ رہتا ہوں تو کہتے ہیں کہ موت سے ڈر گئے ہیں۔“ (53) عجیب کشمکش ہے۔ ایک طرف امت کا خیال تو دوسری طرف اپنے حق اور الہی منصب کا۔ کریں تو کیا کریں۔ کیا واقعاً علی موت سے گھبراگئے تھے؟ نہیں۔ ہرگز نہیں!

بازوئوں میں قوت و طاقت بھی تھی اور دل میں جوش و ولولہ بھی تھا مگر حضرت کی دورانیدیش نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ چاروں طرف زہریلی فضا محیط ہے، فتنہ ارتداد سر اٹھا رہا ہے، نفاق سرگرم عمل ہے، شکست خوردہ یہود اور باجگزار نصاریٰ اس تاک میں لگے ہیں کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑے اور اپنی شکست و ہزیمت کا بدلہ لیں۔ (54)

شاید انہی اندیشوں کی طرف مولا اشارہ کرنا چاہتے تھے کہ ”ایک علم پوشیدہ میرے سینے کی تہوں میں لپٹا ہوا ہے کہ اسے ظاہر کردوں تو تم اسی طرح پیچ و تاب کھانے لگو گے جس طرح گہرے کنوؤں میں رسیاں لرزتی اور تھرتھراتی ہیں۔“ (55)

ایسی صورت میں جبکہ ان کا حق غصب کیا جارہا تھا اور دوسری طرف قیام کی صورت میں اسلام کو مختلف مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا۔ مولا کرتے تو کیا کرتے ”سوچنا شروع کیا کہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے حملہ کروں یا اس سے بھیانک تیرگی پر صبر کروں“ (56) کیونکہ اگر ایک طرف حق خلافت ہے تو دوسری طرف اسلام بھی تو ملحوظ خاطر ہے لہذا ”مجھے اس اندھیرے پر صبر ہی قرین عقل نظر آتا۔ لہذا میں نے صبر کیا۔ حالانکہ آنکھوں میں (غبار اندوہ کی) خلش تھی اور حلق میں (غم و رنج کے) پھندے لگے ہوئے تھے۔“ (57)

صبر ہی قرین عقل اس لئے تھا کہ کیونکہ آپ کا ہدف صرف اور صرف اسلام کی بقاء اور مسلمانوں کا اتحاد تھا کیونکہ خود ہی فرماتے ہیں: ”جب تک مسلمانوں کے امور کا نظم و نسق برقرار ہے اور صرف میری ہی ذات ظلم و جور کا نشانہ بنتی رہیگی میں خاموشی اختیار کرتا رہوں گا۔“ (58)

لہذا اسلام اور مسلمانوں کی خاطر ”میں نے چشم پوشی کی جبکہ حلق میں پھندے تھے۔ مگر میں نے غم و غصے کے گھونٹ پی لئے اور گلو گرفتگی کے باوجود حنظل سے زیادہ تلخ حالات پر صبر کیا۔“ (59)

حوالہ جات:

- ۱۔ اعراف ۱۵۰
- ۲۔ منہاج البراعہ ۹۱۵۲، نہج الصباغہ ۴۳۶۷، شبہائے پیشاور ۸۳۷
- ۳۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۷۲
- ۴۔ ایضاً ۵
- ۵۔ ایضاً مکتوب ۴۵
- ۶۔ ایضاً خطبہ ۲۴
- ۷۔ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید ۱۱۶
- ۸۔ فروغ ولایت ۱۶۱
- ۹۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۲
- ۱۰۔ ایضاً ۳
- ۱۱۔ ایضاً ۱۳۷
- ۱۲۔ ایضاً ۳
- ۱۳۔ ایضاً ۷۵
- ۱۴۔ سورئہ بقرہ ۱۷۱
- ۱۵۔ در مکتب امیرالمومنین ۱۱۰
- ۱۶۔ بحار الانوار ۲۹۴۱۹، نہج الصباغہ ۵۲۶۱
- ۱۷۔ مفتاح السعاده ۳۱۹، منہاج البراعہ ۳۱۰۵، بحار الانوار ۲۹۴۲۱
- ۱۸۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۳۷
- ۱۹۔ مفتاح السعاده، ۵۲۰۰
- ۲۰۔ شبہائے پیشاور ۸۳۵
- ۲۱۔ سورئہ قمر ۱۰
- ۲۲۔ منہاج البراعہ ۴۱۵۷
- ۲۳۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۲۶
- ۲۴۔ منہاج البراعہ ۴۱۵۳، بحار الانوار ۲۹۴۱۸
- ۲۵۔ علی و زمامداران ۱۵۷ بحوالہ احتجاج طبرسی ۱۱۸۷
- ۲۶۔ ایضاً
- ۲۷۔ منہاج البراعہ ۲۴۲۰، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۲۲۲
- ۲۸۔ ایضاً ۹۱۵۲ و ۴۱۷۵، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۱۱۱۱
- ۲۹۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۲۶
- ۳۰۔ ایضاً
- ۳۱۔ سورئہ فتح ۲۵
- ۳۲۔ شرح نہج البلاغہ مدرس وحید ۹۱۳۳، بحار الانوار ۲۹۴۳۷

- ۳۳۔ بحارالانوار ۲۹۴۲۸، منهاج البراعہ ۴۱۵۶
- ۳۴۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۳
- ۳۵۔ ایضاً ۱۳۴
- ۳۶۔ مطالعہ نہج البلاغہ ۲۰۶
- ۳۷۔ مصباح البلاغہ ۱۲۶۸، نہج الصباغہ ۵۵۳، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۱۳۰۸
- 38۔ مطالعہ نہج البلاغہ 207
- 39۔ مصباح البلاغہ 2/641، نہج السعادة 1/271، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید 1/307
- 40۔ نہج البلاغہ، مکتوب 62
- 41۔ ایضاً خطبہ 5
- 42۔ فی رحاب نہج البلاغہ 122، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید 6/21
- 43۔ پژوہشی عمیق پیرامون زندگی امام علی علیہ السلام 212
- 44۔ سورہ آل عمران 154
- 45۔ فروغ ولایت 166
- 46۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید 1/308، نہج الصباغہ 5/53
- 47۔ بحارالانوار 29/445، نہج الصباغہ 4/416
- 48۔ ایضاً 29/445
- 49۔ نہج الصباغہ 3/91، منهاج البراعہ 314/
- 50۔ ایضاً 4/475، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید 11/113
- 51۔ نہج البلاغہ، مکتوب 62
- 52۔ سیرہ پیشوایان 74
- 53۔ نہج البلاغہ، خطبہ 5
- 54۔ سیرت امیرالمومنین 1/358
- 55۔ نہج البلاغہ، خطبہ 5
- 56۔ ایضاً 3
- 57۔ ایضاً
- 58۔ ایضاً 72
- 59۔ ایضاً ، ایضاً 26۔ او راسی سے ملتا جلتا خطبہ 215